دامانِ اردو میں ہندوستانی گھر آنگن

ڈاکٹر راشد عزیز

تلخیص: اردو کی حیثیت محض ایک زبان کی نہیں ہے؛ بلکہ یہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب و ثقافت کی امین ہے۔ بہ لفظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان جس ملنساری، اخوت اور ہم آہنگی کے تمام تر پہلو اپنے اندر سموئے ہوئی ہے، اُن کا عکس ہر ہندوستانی کے شعور اور لاشعور میں ضرور دکھائی دیتا ہے۔ایک طرف اگر یہ زبان ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہے، وہیں دوسری طرف یہ اُس مشترکہ تہذیب و ثقافت کی روایات کا تحفظ بھی کرتی چلی آئی ہے۔جس کی مثالیں ہمارے یہاں امیر خسرو، افضل پانی پتی، کبیر داس، نظیر اکبر آبادی، فراق گورکھپوری اور جاں نثار اختر وغیرہ کی شاعری میں ملتی ہیں۔ اردو زبان نے ہندوستانی رنگ اختیار کر کے ہندوستانی رسوم و روایات، اقدار اور ہندوستان کے تشخص کو برقرار رکھا، نیز فرقہ وارانہ ہم آہنگی، اتحاد اور انسان دوستی کے پیغام سے مشترکہ ہندوستانی تہذیب کی ساخت کو مزید مستحکم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

کلیدی الفاظ: اردو زبان، ہندوستانیت، مشترکہ تہذیب وثقافت، ہندوستانی اساطیر، مخلوط تہوار، لوک گیت

اردو اور ہندوستانیت کا رشتہ آنکھ کے تل اور وجود کے رشتے جتنا اہم ہے۔ اگر کسی عوامی مقام پر غیر اردو دانوں کے درمیان اپنی گفتگو میں اردو کے آسان الفاظ بھی استعمال کر لیے جائیں تو وہ برجستہ کہتے ہیں کہ آپ تہذیبی گفتگو فرما رہے ہیں۔ منشاء کہنے کا یہ ہے کہ لفظ فرمانا، ان کے لاشعور سے برآمد ہو جاتا ہے۔یعنی اردو ایک ہندوستانی زبان ہونے

کے ساتھ ایک ایسی ہندوستانی تہذیب ہے جس کا عکس ہندوستانیوں کے شعور اور لاشعور دونوں میں جھلکتا ہے، اور جس کی بدولت اردو کے دامن میں ہندوستانیت کے جھلملاتے ستارے پوری آب وتاب کے ساتھ اپنی طلسمی شعاعوں کا سحر پھونکتے ہیں، اور جس کا اثر ہندوستان کے ہر گھر اور آنگن میں اخوت وملنساری کی البیلی اور نویلی فضاؤں کا محرک بنتا ہے۔ اور یہ فضائیں ان توضیحی کیفیتوں کی غماز وترجمان بن جاتی ہیں، جن کے آئینہ خانوں میں ہندوستان کی وسعت ارضی کی شبیہہ، اور اس وسعت کی تکمیل کرنے والے مختلف النوع انفرادیتوں کے حامل صوبہ جات کی رنگا رنگ تصاویر صاف نظر آجاتی ہیں۔ جن میں اُن کے شہروں اور دیہاتوں اور ان کے گھروں اور آنگنوں کی تہذیب وثقافت کی انفرادیت، اردو کا سندور اور سرمہ لگا کر قوسِ قزح یعنی دھنک صفت مشترکہ تہذیبی روایت کی وراثت کا تحفظ کرتی چلی آرہی ہے۔ یہ وہ روایت ہے جس نے اردو کی ایک نہایت پرہیز گار شخصیت و شباہت رکھنے والے حضرت قائم چاند پوری سے بھی کہلوا دیا کہ:

سانولی دیکھ کے صورت کسی متوالی کی
ہوں مسلمان مگر بول اٹھوں جے کالی کی

ہندوستانیت یعنی مشترکہ تہذیبی روایت ووراثت اور اردو زبان اور اردو تہذیب کے تعلق سے حضرت امیر خسرو، کبیر داس اور نظیر اکبر آبادی کی خدمات کو پیش نظر رکھنا لازمی ہے۔ جن کے تخلیقی اظہار نے ہندوستان کے علاقائی سماجوں اور ان کی بولیوں ٹھولیوں اور زبانوں کو سماجی ولسانی اختلاط واشتراک کے مواقع فراہم کیے، اور اردو یعنی ملی جلی اور مخلوط زبان میں لوک روایات کی بیج بنی اور آبیاری کی۔ حضرت امیر خسرو نے اپنے پیر محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کی ''رسم گاگر'' کے لیے جو گیت اور ان کے علاوہ کہہ مکرنیاں اور دوہے لکھے ہیں اور سولہویں صدی کے اپنے ہمزاد نما خسرو سے جن کی پیروی کرائی ہے۔ وہ خالص ہندوستانی معارفت کے انداز اور طرز کے مطابق ہیں۔ یعنی اس کلام میں خسرو نے زیادہ تر روح اور جسم کو عورت اور مرد کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ صنعت ایہام کی بہترین مثالیں ہیں۔ یعنی جو وطیرہ ہندوستانی کلاسیکی سنسکرت شاعری کا رہا ہے، اور جس میں نسائی اساسیت کو فوقیت حاصل ہے اور جس کی آگہی کا امکان جنسی نفسیات یعنی عورت اور مرد کے

رشتے اور ان کی خواہشات کو تصور کیا جا تا رہا ہے، اور جس میں روح ہمیشہ جسم کو پکارتی رہتی ہے، اور جسم کے حاصل کر لینے کو روح کے عشق کی کامیابی مانا جاتا ہے، اور جس نے نارد منی کو بھگوان کا درجہ حاصل نہیں ہونے دیا، اور دیو مالائی اساطیر جس کا وصف ہے۔ جو اجنتا اور ایلورا کے غاروں کی زینت ہے اور راجندر سنگھ بیدی کے ناول ''ایک چادر میلی سی'' کے پیش لفظ میں بابا برفانی کی گپھا کے کبوتر کبوتری کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یعنی امر ناتھ کے سیلانی بھی جس کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ کیفیت کثیر الجہت مفاہیم کے ساتھ خسرو کی اس کہہ مکرنی میں ملاحظہ کیجیے۔ جسے وزیر آغا نے لاہور کالج کے سالانہ اردو میگزین میں متھن کی روایت سے منسوب کیا ہے۔

اونچی اٹاری پلنگ بچھائیو
میں سوئی میرے سر پہ آئیو
کھل گئیں آنکھیں بھئی آنند
اے سکھی ساجن نا سکھی چند

بہت تفصیل کا موقع نہیں۔ مختصر یہ کہ وارداتِ عشق جنس مخالف کے شکار تمام پیر و جواں اس راز سے اچھی طرح واقف ہیں کہ امیر خسرو نے اپنے ایک گیت کے ٹیپ کے ایک مصرعے میں بیان کیا ہے اور نفسیاتی، سماجی، اسلامی اور غیر اسلامی معارفت کے عرفان اور آگہی کی راہ ہندوستانی طرز میں سمجھا ہے۔ مصرعہ یوں ہے کہ:

چھاپ تلک سب چھینی رے موسے نینا ملائے کے

ہندوستانی معاشرت میں نین اور سین کے بامِ عروج تک پہنچنے کی ایک اور اہم مثال جو شرنگار رس کی پیروی ہے۔ وہ محمد افضل پانی پتی کی بکٹ کہانی ہے۔ جس کی انتہا یہ ہے کہ:

بیاد دل ربا خوش حال می باش
گہہ افضل گہہ گوپال می باش

کبیر داس نے ہندوستانی اردو یعنی مخلوط لسانی معاشرے کو طنزیہ اور ناصحانہ تیور دکھا کر روح تک رسائی کا ذریعہ تلاش کیا، تو نظیر اکبر آبادی نے بے نظیر عبرتیں دریافت کر کے ان کا ایسا شاعرانہ لباس تیار کیا کہ ہر ہندوستانی نظیر کی شاعری کو زیب تن کر کے فخر محسوس کرتا

ہے۔کبیر اور نظیر نے سماجی زندگی کے فرائض تو ادا کیے مگر نفسیاتی تغیر کو شعری قالب میں ڈھالنے کے بجائے ہندوستانی گھر آنگن کے تغیر و تبدل کو موضوع بنایا اور ہندوستان کی روح کو ایک منفرد دنیا بخشی۔البتہ علامہ اقبال وفورِشوق کی اس کیفیت کو مولانا رومی کی راہ پر لے گئے اور انہوں نے ہندوستانی سماج کو عشق مجازی سے حقیقی معارفت کے عرفان و آگہی کی روشناسی کے لیے کہا کہ:

غربت میں ہوں اگر ہم رہنا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

یا

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

بنی نوع انسان کے دل کی زندگی روح پر منحصر ہوتی ہے،اور روح دل میں رہنے اور دل کو زندہ رکھنے کے ساتھ اپنے مانوس مقام یعنی طبی میلان کی جگہ رہتی ہے،اور جہاں روح رہتی ہے وہاں عشق ہوتا ہے۔جہاں عشق ہوتا ہے وہاں غربت و فرقت کا احساس ہوتا ہے اور اس احساس کے ادب آداب ہوتے ہیں۔ادب آداب کا ایک دائرہ ہوتا ہے جسے گھر اور آنگن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔گھر اور آنگن میں روح ہوتی ہے۔روح کسی قلب کی دھڑکن ہے اور دھڑکن وجہہ حیات ہے۔دھڑکن اپنے انس و میلان کا مقام ڈھونڈتی ہے جو گھر آنگن ہوتا ہے۔گھر آنگن کسی فرد کی بدولت ہوتا ہے۔فرد سماج کا رکن ہے۔سماج شہر یا دیہات کی اکائی ہے۔بہت سی اکائیوں کا صوبہ ہوتا ہے اور کئی صوبوں کے ایک ساتھ ملنے سے ملک بنتا ہے۔ہمارا اور ہماری اردو کا ملک ہندوستان ہے۔اس ہندوستان کا ایک فرد جاں نثار اختر ہے۔جو فرد کے وجود کو بکھرا ہوا تصور کرتا ہے،اور وجود کے بکھرنے کا سبب سانحہ مانتا ہے،اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ فرد کا وجود میں آنا بھی ایک سانحہ ہے اور سانحات یعنی وارداتوں سے جڑی تہذیب کو تلاش کرتے ہوئے کہہ اٹھتا ہے:

اشعار مرے یوں تو زمانے کے لیے ہیں

کچھ شعر فقط ان کو سنانے کے لیے ہیں
سوچو تو بڑی چیز ہے تہذیب بدن کی
ورنہ یہ بدن آگ بجھانے کے لیے ہیں

بدن کی تہذیب کی علامت میں وطن ،یعنی ہندوستان اور ہندوستان والوں اور ہندوستانی اردو،کووطن کی تہذیب سے روشناس کرانے والی شخصیت کے مالک،اردوشاعری کی صف اول میں امتیازی شان رکھنے والے شاعر،جاں نثاراختر نے روایت وجدت کے امتیازی وصف کی حامل شاعری کا بیش بہا اضافہ اردوشاعری میں کیا۔ان کے اضافہ کردہ شعری سرمائے میں ان کا مجموعہ رباعیات''گھر آنگن''اردو میں رباعی کے ذخیرے میں اہم اضافہ ہے۔دراصل''گھر آنگن'' کی رباعیات میں ہندوستانیت کوملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔اور ہندوستانی سماج کے گھر آنگن کی تصویروں کو نئے اندازاور بےباک اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ان رباعیات میں خلاقانہ چابکدستی کی ہنرمندی اور افکارواحساس کی تازگی صاف جھلکتی ہے۔یہ رباعیات ہجروفراق کے دیرینہ قضیے اور روایتی محبوب کے نازو نیاز سے ہٹ کر ایک الگ احساس کا ادراک کراتی ہیں۔ان میں گھریلو زندگی کی انوٹھی استعاراتی فضا،ہرفرد کی آرزومندانہ حقیقی زندگی کے سچے جلوے،ضوپاشی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔یعنی اختر کے گھر آنگن کی شروعات ہندوستانی گھر آنگن سے ہوتی ہے۔ مثلاً

بس تین ہی چیزیں ہیں وطن کی زیور
اس دیش کی سبھیتا کا اصلی جوہر
اک پھول گلاب ایک ندی گنگا
اک نار جسے بلائیں گوری کہہ کر

گھر آنگن کی اس گوری کےحسن وجمال اورلہڑپن کورامپوراسکول کے استادشاعرمحشر عنایتی نے اپنے مجموعہ رباعیات''دیہات رس'' کا موضوع بنایا ہے۔جس میں انھوں نے تاہلانہ زندگی کی تصویریں پیش کرنے کے لیے اپنی قادرالکلامی کے جوہر دکھائے ہیں۔اور کہنہ مشقی کی شہادتیں پیش کرتے ہوئے''دیہات رس'' کوگوری نامہ کی عرفیت سے بھی نوازا

ہے۔جبکہ فراق گورکھپوری نے اس گوری کے تشخص کے مختلف رویوں کو شرنگار رس کے تحت ،اپنے رباعیات کے مجموعے ''روپ'' میں، ہندوستانی دیو مالائی اساطیر کے مختلف النوع رویوں کے سہارے، پورے تقدس اور تعظیم کے ساتھ پیش کیا ہے۔لیکن اختر نے اپنی گوری کے گرہست جیون کے جلووں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔اور ہندوستانی گھر آنگن کے دامن میں اس کی موجودگی کا احساس دلایا ہے۔مثلاً:

تو دیش کے مہکے ہوئے آنچل میں پلی
ہر سوچ ہے خوشبوؤں کے سانچے میں ڈھلی
ہاتھوں کو یہ جوڑنے کا دل کش انداز
ڈالی پہ کنول کی جس طرح بند کلی

ہر صبح کو غنچے میں بدل جاتی ہے
ہر شام کو شمع بن کے جل جاتی ہے
اور رات کو جب بند ہوں کمرے کے کواڑ
چھٹکی ہوئی چاندنی میں ڈھل جاتی ہے

گاتی ہوئی ہاتھوں میں یہ سنگر کی مشین
قطروں سے پسینے کے شرابور جبین
مصروف کسی کام میں دیکھوں جو تجھے
تو اور بھی مجھ کو نظر آتی ہے حسین

فراق گورکھپوری نے جاں نثار اختر کے مجموعہ رباعیات ''گھر آنگن'' کی رباعیات کے تعلق سے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''گھر آنگن میں ہندوستان کے گھروں اور گھریلو زندگی کی نرم و نازک جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔''

ایسی شاعری ہمارے لوک گیتوں میں بھرپور انداز سے پیش کی گئی ہے۔یہ موضوع

اوراس کے ہزاروں پہلو سورداس کے پدوں میں دکھائے گئے ہیں۔ الغرض گھر اور آنگن ہندوستانی تہذیب کے ہنڈولے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ بیان کردہ مذکورہ بالا اوصاف کے مطابق کچھ مثالیں اسطرح ہیں:

کس پیار سے دے رہی ہے میٹھی لوری
مہکی ہے سڈول بانہہ گوری گوری
ماتھے پہ سہاگ آنکھوں میں رس ہاتھوں میں
بچے کے ہنڈولے کی چمکتی ڈوری

انساں تجھے کہتا تھا کبھی سیج کا پھول
صدیوں میں کھلی ہے جا کے صدیوں کی یہ بھول
جب تک تیرے جذبات کی دولت نہ ملی
تہذیب کے، دنیا نہ بنا پائی اصول

آہٹ مرے قدموں کی جو سن پائی ہے
اک بجلی سی تن بدن میں لہرائی ہے
دوڑی ہے ہر اک بات کی سدھ بسرا کے
روٹی جلتی توے پہ چھوڑ آئی ہے

جوش ملیح آبادی نے مجموعہ رباعیات جاں نثار اختر ''گھر آنگن'' پر اپنا تاثر اس طرح دیا۔

> ''اختر کی شاعری میں ہمیں زندگی کی حقیقتیں، مناظر کی دلفریبیاں، نفسیات کی رنگینیاں اور رومان کی برنائیاں ملتی ہیں اور یہ سب چیزیں ایسی سموئی ہوئی ہیں جس طرح کوئی نباضِ موسیقی متعدد راگنیوں کو ملا کر ایک ایسا نغمۂ شیریں پیدا کرتا ہے کہ بزم پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔''

اختر کی شاعری کی یہ وجد آمیز کیفیت موسیقار نوشاد کو شاعری کا حسن معلوم ہوتی ہے۔ مگر عصمت چغتائی اس کیفیت کو کانٹوں بھری وادیوں سے تعبیر کرتی ہیں۔ اسی طرح خیام اختر کی شاعرانہ شخصیت کو الفاظ کا بے پناہ خزانہ مانتے ہیں۔ تو واجدہ تبسم پتھر یعنی سنگ ہونے کی دلیلیں پیش کرتی ہیں۔ اور پھر پرکاش پنڈت اختر کو کھلی کتاب ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ سب سن کر بھی جاں نثاری کی مست خرامی میں اختر کہتے ہیں کہ گھر آنگن کی گوری کا کردار غیر معمولی ہے۔ مثلاً:

ہر رسم و روایت کو کچل سکتی ہوں
جس رنگ میں ڈھالے مجھے ڈل سکتی ہوں
اُکتانے نہ دوں گی اُن کو اپنے سے کبھی
ان کے لیے سو روپ بدل سکتی ہوں

آخر میں اس سو روپ دکھانے والی گوری کی دعویداری کے توسط سے، اس مضمون کے دامن یعنی گھر آنگن کو، جاں نثار اختر کی شاعری کے گھر آنگن سے، اردو اور ہندوستانیت کا رباعی نما وہ تحفہ پیش کرنا، مجھ پر واجب ہے کہ جس کی شہادت آج کے سماج کو راہ دکھانے کی صورت میں، تاریخ کی روشن عبارت ثابت ہونا نصیب ہو۔ ہندوستان اور ہندوستان کی ہزار ہا برس کی تاریخ کی ترجمانی مانا جا سکے۔ اور جو مشترکہ تہذیب کو مہمیز عطا کرے۔ ہر اک ہندوستانی کے لیے سبق آموز اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہو۔ اور شاعر کے اس مشاہدے اور آرزومندی کو اپنی عملی زندگی میں ہر ایک قاری اور سامع تلاش کر سکے۔ ایسی تحفہ نما کوہِ نور کہلانے کی مستحق رباعی اس طرح ہے۔:

تیرے لیے بیتاب ہیں ارمان کب سے
درا ٓمرے سینے میں کسی دن ایسے
بھگوان کرشن کی سجی مورت میں
چپ چاپ سما گئی تھی میرا جیسے

OOO